مولانا محمد علی جانباز

روزہ اور تقویٰ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○ البقرة ۱۸۳

یوں تو اسلام تقویٰ اور پرہیزگاری کا علمبردار ہے تاہم انسان سے گناہ کا سرزد ہو جانا اس کی عادت سے بعید نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنا رحم و کرم فرماتے ہوئے کچھ ایسے امور مقرر کر دیے ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے ان گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ انہیں امور میں سے ماہِ رمضان المبارک کے روزے ہیں۔ روزوں کی باقاعدہ ادائیگی سے انسان میں تقوے اور پرہیزگاری کی رُوح پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا روزہ دار یقیناً "لعلکم تتقون" کا مصداق بن جاتا ہے۔

انسان کی کامیابی و فلاح تقوے پر موقوف ہے، تقوے سے نجات ہو گی۔ جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا خلاصہ تقویٰ ہے۔ اسلام کی ہر تعلیم کا مقصد ہر عمل کے قالب میں تقوے کی روح پیدا کرنا ہے۔ اس لیے تقوے کے فضائل، تقویٰ کی حقیقت، تقویٰ کے لغوی و شرعی معانی، تقویٰ کے فوائد و منافع کا علم ہر انسان کے لیے ضروری ہے تاکہ اس کو اس کی طرف رغبت پیدا ہو۔ اس لیے روزے کے باقی فوائد ذکر کرنے سے قبل تقویٰ کی حقیقت اور اس کی فضیلت اور اس کے مراتب و درجات کتاب و سنت کی روشنی میں کسی قدر بیان کیے جاتے ہیں۔

تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟

تقویٰ اصل میں "وقویٰ" ہے۔ عربی زبان میں اس کے لغوی معنی "بچنے، پرہیز اور لحاظ کرنے" کے ہیں لیکن شریعت کی اصطلاح میں یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے [illegible]

ہونے کا یقین پیدا کرکے دل میں خیر و شر کی تمیز ——— اور خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کر دیتی ہے۔" دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کی بنا پر ہر کام میں خدا کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اس کی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات کہ تقویٰ اصل میں دل کی اس کیفیت کا نام ہے۔ قرآن پاک کی اس آیت سے ظاہر ہے جو ارکانِ حج کے بیان میں ہے۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا	اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نامزد چیزوں کی تعظیم کرتا ہے
مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۱؎	سو یہ دل کی پرہیزگاری ہے۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ تقویٰ کا تعلق دل سے ہے اور وہ سلبی کیفیت (بچنا) کے بجائے ایجابی اور ثبوتی کیفیت اپنے اندر رکھتا ہے اور وہ خیر کی طرف دلوں میں تحریک پیدا کرتا ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم سے ان کو معمور کرتا ہے۔

ایک اور آیت کریمہ میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ	بے شک جو لوگ اپنی آواز اللہ کے رسول کے
رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	آگے پست رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے
امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى	قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خالص کر دیا
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۲؎	ہے۔ ان کے لیے معافی ہے اور اجرِ عظیم ہے۔

تقویٰ کو قلب کی چیز قرار دینے سے قرآن مجید کا منشا اخلاص، یقین اور اعتماد علی اللہ، اس کے عذاب کا خوف، اس کی ناخوشی کا اندیشہ اور اس کی رضا و خوشنودی کی اہمیت بتانا ہے۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ	اور اس آگ سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار
يَتَزَكّٰى وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ	ہو جو اپنا مال اس غرض سے دیتا ہے کہ پاک ہو جائے اور
تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ	بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضا جوئی کے کہ یہی اس کا
الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۳؎	مقصود ہے اس کے ذمے کسی کا احسان نہ تھا کہ اس کے
	دینے سے اس کا بدلہ اتارنا مقصود ہو اور عنقریب وہ خوش ہو جائے گا

۱؎ الحج پ۱۷ ۲؎ الحجرات پ۲۶ ۳؎ الیل پ۳۰

دل کو جب تقویٰ کے لیے مرکز قرار دیا گیا ہے تو اس کا الہام بھی دل میں ہی ہوتا ہے۔

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ؎ — پھر اس کو اس کی بدی اور نیکی سمجھائی۔

فجور تو ظاہر ہے کہ گناہگاری اور نافرمانیوں کی جڑ ہے۔ ٹھیک اسی طرح تقویٰ تمام نیکیوں کی بنیاد اور اصل الاصول ہے اور دونوں بندہ کو فطرۃً ودیعت ہیں۔ اب بندہ اپنے عمل اور کوشش سے ایک کو چھوڑتا ہے اور دوسرے کو اختیار کرتا ہے مگر دونوں الہام ربانی ہیں۔ الہام کا مرکز دل ہے تو تقویٰ بھی دل میں ہوا اور دل تمام اعضاء و جوارح کا بادشاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر تمام عقائد، اعمال، معاملات و اخلاق میں دل پر ہے حدیث میں آتا ہے:

ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم و لکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم — اللہ تعالیٰ کی نظر تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں پر نہیں ہے، اس کی نظر تو تمہارے دلوں اور اعمال پر ہے۔

جب تمام اعمال اور عقائد کا دارومدار دل پر ہی ہے تو دل کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

الا و ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب ؎ — خبردار رہو کہ جسم میں ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست ہو گیا تو تمام جسم درست ہو گیا اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام جسم بگڑ گیا اور وہ ٹکڑا دل ہے۔

پس دل کی اصلاح یہ ہے کہ اس میں تقویٰ پیدا کیا جائے۔ جب دل میں تقویٰ ہو گا تو تمام اعمال درست ہو جائیں گے۔ صحابہ کرامؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا:

التقوی ههنا و یشیر الی صدره — تقویٰ یہاں ہے اور آپ کا اشارہ قلب کی طرف تھا

آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ دین میں جو چیز مطلوب ہے وہ صرف اعمال کی ظاہری صورتیں اور شکلیں نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ خدا ترسی، اخلاص و للّٰہیت بھی مطلوب ہے۔ حقیقی نیکی وہ ہے جو ظواہر سے گذر کر قلب کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ عبادت ہو، اخلاص ہو یا خدا کے قانون کی اطاعت ہو۔ صرف ادائیگی فرض یا ظاہری پابندی اور خانہ پری مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ہر کام خالصۃً خدا کی

۱۔ الشمس ۸

خوشنودی کے لیے کیا جائے۔ روزہ سے بھی یہی چیز حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ ایک مخفی خاموش عبادت ہے جو ریا اور نمائش سے بری ہے جب تک خود انسان اس کا اظہار نہ کرے دوسروں پر اس کا راز افشاء نہیں ہو سکتا اور یہی چیز تمام عبادات کی جڑ اور اخلاص کی بنیاد ہے۔

مدارج تقوے

روزہ رکھنے سے جب دل میں تقوی پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا اثر انسان کے جملہ حرکات و سکنات اور اعمال و اقوال میں پیدا ہو گا:

عبادات: عبادات میں تقوی یہ ہے کہ فرائض الٰہی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ چھوڑنے سے اجتناب کیا جائے۔

اعتقادات: اعتقادات میں تقوے یہ ہے کہ شرک و کفر و بدعت سے بچا جائے۔

معاملات: غیروں کو نقصان نہ پہنچائے ان سے بد دیانتی نہ کرے۔ اپنے آپ کو بچائے۔

معاشرت: اپنے آپ کو مخلوق خدا کے حقوق کی حق تلفی سے دور رکھے۔

تمدن: مشابہت کفار سے بچے۔

اقتصادیات: اسراف، تبذیر، فضول خرچی سے پرہیز کرے۔

سیاسیات: امیر شریعت کی نافرمانی اور عدوان سے بچے۔

اکل و شرب: کھانے پینے میں حرام اور مشتبہات سے دور رہے۔

ان مذکورہ مدارج کی طرف قرآن و سنت اور آثار صحابہ میں صریح بیانات اور واضح ارشادات موجود ہیں مثلاً:

اتق المحارم تکن اعبد الناس — محارم سے بچو۔ لوگوں میں سب سے بڑے عابد ہو جاؤ گے

حدیث میں یوں آتا ہے:

ان الحلال بین و الحرام بین و بینهما مشتبهات لا یعلمها کثیر من الناس فمن اتقی المشتبهات استبرء لدینه و عرضه و من — بے شک حلال اور حرام دونوں واضح ہیں اور ان دونوں کے درمیان کچھ غیر واضح چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو مشتبہ چیزوں سے بچا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچالی اور جو مشتبہات

وقع فی الشبہات کالراعی یرعی حول الحمی یوشك ان یواقعه [1]

میں پڑ گیا تو اس کا حال اس چرواہے کی طرح ہے جو چراگاہ کے پاس ہی اپنا گلہ چرا رہا ہے۔ جس کا ممکن ہے کہ چراگاہ کے اندر اس کا گلہ چلا جائے۔ سنو! ہر بادشاہ کی اپنی مخصوص چراگاہیں ہوتی ہیں۔ سنو! زمین میں خدا کی ممنوعہ چراگاہ اس کے محارم ہیں۔

یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت کی تشریح ہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ [2]

یہ اللہ کی حدود ہیں۔ خبردار! ان کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ اسی طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کو بصراحت بیان کرتا ہے۔ توقع ہے کہ وہ غلط روی سے بچیں گے۔

حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے:

لا یبلغ العبد حقیقة التقوی حتی یدع ما حاك فی الصدر

بندہ تقویٰ کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک کہ اسے بھی نہ چھوڑ دے جو دل میں کھٹکے۔

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یبلغ ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا باس به حذرا مما به باس [3]

بندہ پرہیزگاروں میں اس وقت تک شمار نہیں ہوتا جب تک اس اندیشہ سے کہ کہیں اس سے کوئی غلط کام سرزد ہو جائے اس چیز سے بھی دور نہ رہے جس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

وابصہؓ بن معبد بیان فرماتے ہیں کہ

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے وابصہ! تم نیکی اور گناہ کی حقیقت پوچھنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا، ہاں! یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، آپ نے اپنا پنجہ برابر کیا اور اس کو میرے سینے پر مارا اور فرمایا اپنے نفس سے پوچھو اور اپنے دل سے سوال کرو۔ تین دفعہ یہ فرمایا کہ ”تقویٰ وہ ہے جس پر تمہارا دل مطمئن ہو جائے اور گناہ وہ ہے جو دل کو کھٹکے اگرچہ

---

[1] بخاری [2] البقرہ پ۲ [3] ریاض الصالحین بحوالہ ترمذی۔

لوگوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہو" [1]

تقویٰ کی بہترین تفسیر جو میری نظر سے گزری ہے، وہ ہے جو حضرت ابیّ بن کعبؓ نے بیان کی۔

"حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا: تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا، امیر المومنین آپ کو کبھی کسی ایسے راستے سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہے جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں اور راستہ تنگ ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، "بارہا"۔ انہوں نے پوچھا تو ایسے موقع پر آپ کیا کرتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ میں اپنا دامن سمیٹ لیتا ہوں اور بچتا ہوا چلتا ہوں کہ دامن کانٹوں میں نہ الجھ جائے۔ حضرت ابیؓ نے کہا بس اسی کا نام تقویٰ ہے"

زندگی کا یہ راستہ جس پر انسان سفر کر رہا ہے۔ دونوں طرف افراط و تفریط، خواہشات اور میلاناتِ نفس اور ترغیبات، گمراہیوں اور نافرمانیوں کی خاردار جھاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس راستہ پر کانٹوں سے اپنا دامن بچاتے ہوئے چلنا اور اطاعتِ حق کی راہ سے ہٹ کر بداندیشی و بدکرداری کی جھاڑیوں میں نہ الجھنا، یہی تقویٰ ہے اور یہی تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کیے ہیں یہ ایک مقوی دوا ہے جس کے اندر خدا ترسی و راستہ روی کی قوت بخشنے کی خاصیت ہے مگر فی الواقع اس سے یہ قوت حاصل کرنا انسان کی اپنی استعداد پر موقوف ہے۔ اگر آدمی روزے کے مقصد کو سمجھے اور جو قوت روزہ دیتا ہے اس کو لینے کے لیے تیار ہو اور روزہ کی مدد سے اپنے اندر خوفِ خدا اور اطاعتِ امر کی صفت کو نشوونما دینے کی کوشش کرے تو یہ چیز اس میں اتنا تقویٰ پیدا کر سکتی ہے کہ صرف رمضان ہی نہیں بلکہ اس کے بعد بھی سال کے باقی گیارہ مہینوں میں وہ زندگی کی سیدھی شاہراہ پر دونوں طرف خاردار جھاڑیوں سے دامن بچاتے ہوئے چل سکتا ہے۔ اس صورت میں اس کے لیے روزے کے نتائج (ثواب) اور منافع (اجر) کی کوئی انتہا نہیں لیکن

---

[1] مسند احمد، دارمی

اگر وہ اصل مقصد سے غافل ہو کر محض روزہ نہ توڑنے ہی کو روزہ رکھنا سمجھے اور تقوے کی صفت حاصل کرنے کی طرف توجہ ہی نہ کرے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے نامۂ اعمال میں بھوک پیاس اور رت جگے کے سوا اور کچھ نہیں پا سکتا۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة بعشر امثالها الى سبع مائة ضعف قال الله تعالى الا الصوم فانه لي وانا اجزي به۔

آدمی کا ہر عمل خدا کے ہاں کچھ نہ کچھ بڑھتا ہے ایک نیکی دس گنا سے سات سو گنا تک پھلتی پھولتی ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ مستثنیٰ ہے وہ میری مرضی پر موقوف ہے جتنا چاہوں اس کا بدلہ دوں۔

یعنی روزے کے معاملہ میں بالیدگی و افزونی کا امکان بے حد حساب ہے۔ آدمی اس سے تقوے حاصل کرنے کی جتنی کوشش کرے اتنا ہی وہ بڑھ سکتا ہے۔ صفر کے درجے سے لے کر اوپر لاکھوں، کروڑوں، اربوں گنے تک وہ جا سکتا ہے بلکہ بلا نہایت وہ ترقی کر سکتا ہے۔ پس یہ معاملہ چونکہ آدمی کی اپنی استعدادِ اخذ و قبول پر منحصر ہے کہ روزہ سے تقوے حاصل کرے یا نہ کرے اور کرے تو کس حد تک کرے۔ اس وجہ سے آیتِ مذکورہ بالا میں یہ نہیں فرمایا کہ روزہ رکھنے سے تم یقیناً متقی بن جاؤ گے بلکہ "لَعَلَّكُمْ" کا لفظ فرمایا۔ جس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ "توقع کی جاتی ہے" یا ممکن ہے کہ اس ذریعہ سے تم متقی بن جاؤ۔

بقیہ: دوامِ حدیث!

انھی علوم سے ایک علم دعا ہے۔ جس کی حقیقت دعا کی تاثیر کا روشن ہونا اور اس کا صحیفوں میں منقش ہو جانا۔ حدیث کے علوم سے ایک علم، فضائل اخلاق کا علم ہے۔ یہ اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ صحیفوں میں جو اعمال کی شکلیں ہوتی ہیں۔ صحیفوں پر مطلع ہو کر ان سے واقفیت حاصل کی جائے اور حدیث کے علوم سے ایک علم، علم مناقب ہے۔ اس کا تعلق اس فراست سے ہے، جو حکمت سے پیدا ہوتی ہے

اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

حدیث کے علوم سے ایک علم قرآن کی تفسیر اور اس سے استنباط کا۔ یہ سب علموں سے بڑا